

حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ

صدر مجلس علمی کراچی

مروجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ

اور
اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام

ایک نہایت اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار !

ذیل کا مقالہ امریکی نیورلٹ آرڈر، مروجہ نظام ہائے عالم، اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اہل اسلام کے لیے فکری، علمی اور عملی اعتبار سے کرنے کے اصل کام کی طرف توجہ دینے اور عالمی سطح پر ایک عظیم چیلنج کا مقابلہ کرنے کی انگلیخت ہے مضمون میں بعض جگہ حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ کی طرزِ تغیر، لائحہ عمل کے بعض فکری خطوط اور کام کرنے کے اہداف میں ترجیحات سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے مگر نفسِ مسئلہ کی اہمیت اور اجتماعی طور پر کام کرنے کی فوری ضرورت سے انکار، ایک حقیقت کا انکار ہو گا۔ ”الحق“ اپنے رائے محفوظ رکھتے ہوئے فوری ضرورت کے اس اہم مسئلہ پر قارئین کو مثبت، سنجیدہ اور متین فکری سوچ پر مبنی علمی اور تحقیقی کام کی دعوت دیتا ہے ہر ایسی معیاری تحریر کے لیے الحق کے صفات حاضر ہیں جو فکری اور علمی مہار کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر عملی اقدام کی انگلیخت کا ذریعہ ہوں۔

(ادارہ)

ایک نہایت ہی اہم لیکن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان جیسے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ اُن کے ہاں فی الوقت معاشی ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام، قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کس طریقہ سے عمل میں لایا جائے ؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زعماء و مصلحین کے لیے سخت پیچیدگی اور شدید پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بنانے کی اپنے اندر سچی تمنا و تڑپ رکھتے اور بالیقین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو جاتا کوئی معاشرہ حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور تلاش کرنے میں سرگرمیاں اور مصروف ہیں۔ میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بد نصیبی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گونا گوں انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں غور سے دیکھا جائے تو ان کے اسباب میں سے بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور بروئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ فطرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بائسکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیا تک قسم کے غیر فطری معاشی عدم توازن کا باعث بنتا ہے ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبضہ میں قومی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا، بڑے بڑے قطععات اراضی، عالیشان عمارات، کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کہلاتے اور نہایت شان و شوکت، عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گزارتے اور اپنی الماری و دولت مندی کا فخرانہ انداز سے اظہار کر کے دوسروں پر اپنی برتری جھلالتے اور رعب جھلاتے ہیں، اور دوسری طرف پچانوے فیصد سے بھی زائد افراد کی معاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو یا تو سادہ سے سادہ شکل اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات تک میسر نہیں ہوتیں نہ سیٹ بھر کر دو وقت معمولی کھانا ملتا، نہ تن ڈھانپنے کے لیے مناسب لباس، نہ رہنے بہنے کے لیے سادہ سا گھر میسر ہوتا، اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سہولت نصیب ہوتی ہے لہذا یہ معاشی طائفہ ہمیشہ بد حال و پریشان رہتے ہیں، اور یا پھر اگر ان میں سے کچھ افراد کو بنیادی معاشی ضروریات کسی ذکی شکل میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں یعنی ان کی اتنی آمدنی ہوتی ہے جس سے روزمرہ کی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لیے کچھ بچتا یا پاتا نہیں، گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کا راستے ان پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے لہذا ہنگامی اور ناگہانی ضروریات کے وقت ان کو معاشی پریشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو کھیتوں، کارخانوں، منڈیوں، بازاروں، دکانوں اور دفاتروں میں کام ممت کرتے اور قومی

معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن اُن کو اُن کی سعی و محنت کا پھل بہت کم ملتا ہے اُس کا بڑا حصہ زمیندار، کارخانہ دار، ساہوکار، کمپنیوں کے ڈائریکٹرز اور سربراہ ہتھیالیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرمائے کے مالک ہوتے ہیں بہر حال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر قومی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمٹتی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا معاشی نشیب و فراز ظہور میں آتا ہے ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و مستحالی لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا ظہور میں آنا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے مجوزہ صالح معاشرے کو پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ اُن کے ذریعے عام بلامنی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔

غرض یہ کہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و استحصالی پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو لہذا اس سے اُس اہمیت کا تقویٰ اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مسئلہ مذکور کو حاصل ہے۔

ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عہد حاضر کو معاشیات کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے باقی سب مسائل اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی دلچسپی اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کسی مسئلہ سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے بُرے اور قابل قبول اور قابل رد ہونے کا معیار یہ بن کر رہ گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خرابیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہو، اس کے برعکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لائحہ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اُس کے اندر کتنی ہی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔ اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اُس کے ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے لہذا عہد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین

ذریعہ اور مؤثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے گہرا تعلق ہے لہذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو وجوہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ مذکور کے شکل ترین مسئلہ ہونے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ کہ فی الوقت مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام قائم و رابط ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہذا اس کی جڑیں خاصی گہری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لیے جانا پہچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر و رسوخ اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور ممتاز حیثیت و مرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی مؤثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نہایت مستحکم ہے اجتماعی امور و معاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے طے پاتے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے طے کردہ فیصلوں کو ماننے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ دل سے کتنے ہی ناراض و ناخوش کیوں نہ ہوں چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالائز اور ممتاز حیثیت و مرتبہ ہے وہ مروجہ معاشی نظام کی وجہ سے بے ہزادہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی ممتاز اور بالاتر حیثیت کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشی نظام اپنی حالت پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر و مجروح ہوتی یا ہو سکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اُس حد تک دلچسپی رکھنے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو، بہر حال سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ موجودہ معاشی نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طریقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے ان کو یہ طبقہ پناہ بدترین دشمن قرار دیتا اور ان کے خلاف تمام ایسے حربے استعمال کرنا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زبان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہو سکتی ہو۔ اس سلسلہ میں وہ نرمی و سمجھی اور ترغیب و ترسب دونوں سے کام لیتا اور تبدیلی چاہنے والوں کو ان کی راہ سے ہٹاتا ہے، معاشی نظام میں تبدیلی چاہنے والے بلحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے اس لیے بھی کہ حکومت وقت مخالف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ تشدد کے ذریعے ان کو روکتی اور کھیل دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو پراسن مطالبات کیے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیئے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول

اہم ہوتے ہیں یعنی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمائیے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندرونی طور پر معاشرے کے با اثر اور طاقتور افراد کی پر زور حمایت و تائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدینے اور ختم کرنے کا مسئلہ کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہو سکتا ہے اور پھر جب کہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زور و حمایت و تائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے سیاسی اور معاشی روابط و تعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر ان کے تابع و زیر اثر اور معاشی طور پر ان کا محتاج اور دست نگر بلکہ مقروض ہو وہ بھی یہی چاہتے ہوں کہ جس طرح ان کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک و معاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے ان کے مفادات کو گزند اور نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی ہے اس میں رائج اور موجود سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ معاشی نظام کو بحال و برقرار رکھنے کی حمایت و تائید اندرونی و داخلی طور پر موجود ہے اور بیرونی و خارجی طور پر بھی موجود ہے پاکستان کے جن مغربی ممالک سے معاشی اور سیاسی تعلقات ہیں ان کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برابر قائم و برقرار رہے لہذا اس کو بدینے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ محال و ناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے کوئی حقیقت پسند انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج جمائے مستحکم نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں ایک تدریجی اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب کا طریقہ تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پرامن طور پر رفتہ رفتہ بدینے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی سعی و کوشش کرنا، بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے تدریج ایسی تبدیلیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد و ور ہو کر مطلوبہ صلاح وجود میں آئے، تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لیے موافق اور سازگار ذہنی اور خارجی ماحول تیار کیا جائے، موافق اور سازگار ذہنی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد و ثمرات ہوں گے بالفاظ دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدنام مقصود ہے اس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس قبائل چیز کو لایا جا رہا ہے اس میں کیا اچائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہوں گے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے، ناکہ خاص طور پر ان لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار اور ہموار ہو جائیں جن کو اس تبدیلی سے فوری طور

پر نقصان پہنچتا ہوا اور ان کی طرف سے مخالفت رد عمل کا اندیشہ نہ رہے، اور سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا، اور چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول کو ہونے والی تبدیلی کے موافق و سازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی دماغی جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیر لگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے، بہر حال اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابی سے محفوظ ہوتا ہے۔

اور فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت و قوت کے ذریعے تشدد و سختی کے ساتھ، رائج نظام کے ظاہری ڈھانچے کو الٹ پلٹ اور نہہ بالا کر دینا اور اس کی جگہ اپنی مرضی کا نظام و ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا، فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ کم لگت اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہونا اور کافی جانی و مالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے۔ نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے، جب تک اس کی پشت پر طاقت و قوت رہتی وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھیلی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید رد عمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ حاصل شدہ کامیابی، ناکامی سے بدل جاتی ہے، اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پہلے میدان میں کود پڑتی ہے تو مقابلہ میں شکست کھاتی اور ذلیل و خوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک پہنچ ہی نہیں پاتی، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہیں لہذا اس کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل و قسط کو قائم کرنے کا مجمع طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن و سلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح و درستی، مستقل و پائیدار ہو کر رہتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا طریقہ تھا، حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اس کے لیے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بتدریج تقریباً تیس سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا۔ گویا آپ نے اس مقدس کام میں ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ و مد نظر رکھا کہ وقت زیادہ گتا ہے تو لگے، رفتار دھیمی و سست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آسکے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے

بڑھابے کسی طرح پیچھے نہ بٹے، نیز اس میں اپنی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے جو تبدیلی بھی ہو پر اس طور پر ہو، واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار و مشرکین سے جو تصادم ہو اور قتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوانی کا روائی کے طور پر تھا اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹانا اور جنگ و قتال کی روشنی سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لیتے اور مزاحمت ختم کر دیتے ان کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا تھا جبر و اکراہ کے ذریعے ان کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا، یہ منہجی بات قدرے طویل ہو گئی، اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے نزدیک اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور فوجی انقلاب کا طریقہ نہیں، بہر کیف اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جیسے ملک و معاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ بے حد مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لیے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرط مقدم ہے بد قسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو بالیقین موجود نہیں، اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ اسلام کے جو معاشی اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گہرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ ان اصول و احکامات پہ پھل کرنے کے لئے افراد معاشرہ کے ذہنوں میں عدل و احسان کے جن وسیع و ہمہ گیر اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ و بیدار رہتے ہیں، یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل و احسان کا جذبہ و احساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اس کے دائرہ کے اندر جو تنگی و کشادگی ہوتی ہے وہ اس شعور کے مطابق ہوتی ہے جو تعلیم و تربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں ابھرتا ہے شعور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی پست و محدود ہوتا اور شعور بلند اور وسیع ہوتا تو جذبہ عدل و احسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل و احسان صرف اپنے خاندان و گھنے کے افراد کی حد تک محدود ہوتا ہے لہذا ان کے ساتھ تو اس کا برتاؤ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک عدل و احسان کا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض افراد کے شعور اور جذبہ عدل و احسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم و ملت کے افراد تک وسیع ہوتا لہذا وہ علیٰ طور پر ان لوگوں سے تو عدل و احسان کا برتاؤ کرتا ہے جو اس کے قبیلے اور اس کی قوم و ملت سے تعلق رکھتے ہوتے ہیں لیکن ان کے سوا باقی لوگوں سے اس کا برتاؤ عدل و احسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف ہوتا ہے، بہر حال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے

اور اُس کے اُن نتائج و عواقب کو بھی دیکھتے اور جاننے ہیں جو عدل و احسان کے محض جذبے اور برتاؤ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت و نفرت اور نزاع و تصادم کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام چاہتا ہے جو عدل و قسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص و امتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل و قسط کا برتاؤ کرتا یعنی جس میں ہر انسان بلا تخصیص رنگ و نسل، بلا امتیاز قوم و وطن، بلا تفریق قبیلہ و خاندان اور بلا اشتہاد دین و مذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لیے ایثار بھی کرتا ہو لہذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل و احسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو۔ اور پھر چونکہ عدل و احسان کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر جذبہ صرف اُس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد و یقین اور اُس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کے صفات میں سے ایک صفت رب العالیٰ رب الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے پوسنے، نشوونما دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے والا سب کی پرورش اور کچھ بھال کرنے والا، اور دوسری صفت رحمان و رحیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور دائمی رحمت والا اور جس کی رحمت و مہربانی ہر شے پر بچائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں، یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا، لہذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے جو تعلیم دی وہ اللہ رب العالمین، رحمان و رحیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد و یقین رکھنے کی تعلیم ہے قرآن مجید کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر حرکت میں لازم و واجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کے ذہن اور دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کی یاد ہمیشہ زندہ و بیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد و شعور بندہ مومن کے جذبہ عدل و احسان کو عالمگیر و صحت دیتا اور اس کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ تمام خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آئے، اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احساسات و جذبات زندہ، بیدار اور تازہ رہتے ہیں لہذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی، اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے متعلق ایمانی و امتناعی احکام و امر و نہی کی شکل میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - سے خطاب کیا گیا، جس کا مطلب یہ کہ یہ عملی احکام اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں اُن سے متعلق نہیں

حق کے دل نور ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دلچسپی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ اور اگر کر لیں تو ان پر وہ اثرات و فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندہ مومن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں۔
بِوَافِقِ نَسْنِ اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبہ سے کرتا ہے۔

غرضیکہ عدل و احسان پر مبنی اسلام کی جو معاشی تعلیمات ہیں وہ صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آسکتی اور پابنداری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات و صفات کا عقیدہ، آخرت کی زندگی اور جزاء و سزا کا عقیدہ، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی وحی و رسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راسخ ہو لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی زندگی سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہو، نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی پابند و خوشگوار ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل و احسان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر جذبات و احساسات ہو سکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل و احسان والی اسلامی معاشی تعلیمات پر بلا کسی تخصیص و امتیاز عمل کر سکتا ہے۔

اس پہلو سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہاد اسلامی معاشیوں و ملکوکاویے لاگ جائزہ لیتے ہیں بشمول پاکستان کے تو بے حد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی، حقیقی اور معنوی طور پر ایمان اُسے میں ننگ کے برابر بھی نہیں، چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو ٹھہرے ہی اسلام اور قرآن و حدیث سے جاہل اور دنیا دار۔

اسلامی معاشی نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل میں آنے کے لیے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیز معاشرے کا بنیادی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات مثلاً غنہ کپڑا وغیرہ دوسروں سے اُن کی مرضی اور اُن کے معاشی اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گزارے، جہاں تک اساسات اور تعیشات کی چیزوں کا تعلق ہے اُن میں خود کفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی اُن کے بغیر بھی گزر سکتی ہے۔ بہر کیف ایک مسلم معاشرے کے لیے یہ لازمی و ضروری ہے کہ وہ بنیادی معاشی ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بڑھائے کہ وہ اُس کی ضرورت کے لیے کافی ہوں اور اس کے لیے دوسری قوموں کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے ماخذ اٹھایا جاسکتا ہے اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اوپر دوسری شکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اُس سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشی میں مذکورہ ذہنی اور فارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی معاشی نظام کے فوری نفاذ کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت جو بھی اس قسم کی بات کرتا ہے اُس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے اور اپنا اُتو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

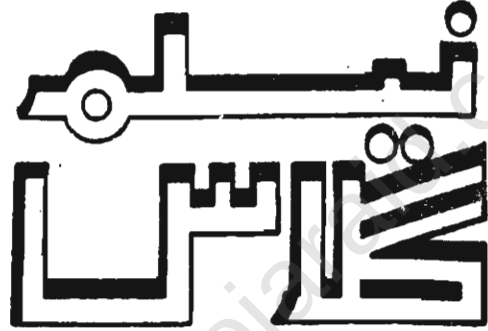
یہاں ایک یہ بات عرض کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں سے فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کمی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا، ایک چیز کی کمی سے اُن کی مراد بینکوں کا سود اور دوسری چیز کے اضافہ سے اُن کی مراد زکوٰۃ و عشر کا اضافہ ہے، گویا موجودہ نظام میں بینکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشی نظام، اسلامی معاشی نظام بن گیا اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، گویا ان حضرات کے نزدیک مزارعت و بٹائی پر مبنی موجودہ زمینداری زمینی نظام بھی عین اسلامی ہے، سرپلس و یلبو اور قدیر زائد کے وجود پر مبنی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً اسلامی ہے، مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تحدید و تقید کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے، درآمدی برآمدی تجارت کا رائج نظام بھی جس میں غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے، اسٹاک ایجس پیجی میں کمپنیوں کے کاغذی شیئرز و حصص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سٹہ بازی کے ذریعے قیمتوں کو جو بڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جو اسٹٹ اسٹاک کمپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے، حکومت کی طرف سے جاری کردہ مختلف سرٹیفکیٹ اور بانڈز جن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے لحاظ سے متعین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جن اہل علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے اُن کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشی پہلو سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں اُن کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہے ورنہ وہ کبھی اسلام کے معاشی نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اوپر نقل کی گئی، ان حضرات نے قرآن و حدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کہ ربا النسبتہ یعنی قرضوں والا سود جس کا موجودہ بینکوں میں لین دین ہوتا ہے قطعاً حرام و منوع ہے لیکن اس پر غور نہیں فرمایا کہ اس کے حرام و منوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کوئی برائی ہے

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK



خود انحصاری کی طرف ایک اور قدم



رنگین شیشہ
(Tinted Glass)

باہر سے منگانے کی ضرورت نہیں۔

چینی ماہرین کی نگرانی میں اب ہم نے رنگین عمارتی شیشہ
(Tinted Glass) بنانا شروع کر دیا ہے۔

دیدہ زیب اور دھوپ سے بچانے والا نیلیم کا
(Tinted Glass)

نیلیم گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ

درکس، شاہراہ پاکستان حسن ابدال، فون: 563998 - 509 (05772)

فیکٹری آفس، ۲۸۳ بی راجہ اکرم روڈ، راولپنڈی فون: 568998 - 564998

رجسٹرڈ آفس، ۱۷-جی گلبرگ II، لاہور فون: 878640-871417